اسلام اور ماحولیات کا تحفظ

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

یہ حسین وجمیل کائنات ایک خاص مقصد اور انسانیت کے فائدے کے لیے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ البقرة: ۲۹۔ (وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔) اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ساری چیزیں انسان کے فائدے کے لیے ہیں اور خاص مقدار میں ہیں، نیز ان میں حد درجہ توازن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے: اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ۔ القمر: ۴۹ (ہم نے ہر چیز کو ایک انداز سے پیدا کیا ہے)۔ ایک دوسری آیت میں ہے: وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ۝ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ سورۃ الحجر: ۱۹–۲۱ (اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس پر پہاڑ گاڑ دیے اور ہم نے اس میں ہر چیز ایک متعین مقدار سے اگا دی اور اسی میں ہم نے تمہارے لیے زندگی گزارنے کے اسباب پیدا کر دیے اور انہیں بھی جن کو تم روزی دینے والے نہیں ہو اور تمام چیزوں کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو ایک متعین مقدار میں اتارتے ہیں۔)

انسان اس کائنات میں اللہ کا خلیفہ ہے، یعنی اللہ کے احکام کو قائم رکھنے اور اس کے حکموں کے نفاذ میں اس کا نائب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کائنات کا مالک نہیں، بلکہ امین اور محافظ ہے۔ وہ یہاں خود مختار نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے اسے حق حاصل ہو، بلکہ وہ اللہ کے احکام کا پابند ہے اور اس نے اس کائنات میں جس موزونیت

اور تناسب کو قائم کیا ہے اس کو باقی رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ ایسا کوئی بھی کام جس کی وجہ سے توازن اور تناسب میں خلل واقع ہو، روئے زمین پر فساد پھیلانے کے مترادف اور دنیاوی مصیبت اور اخروی عذاب کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف: ۸۵)

(اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔)

لیکن آج کا انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس نے اپنی مفسدانہ حرکتوں سے کائنات کے توازن کو بگاڑ دیا ہے اور کوئی چیز اپنی اصلی اور طبعی حالت پر باقی نہیں رہی، جس کے نتیجے میں خود اس کا اپنا وجود خطرے میں ہے، بلکہ اس کے کرتوتوں کی وجہ سے چرند، پرند، نباتات و جمادات ہر ایک کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ گویا آج کے حالات پر یہ آیت پوری طرح سے صادق آرہی ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم: ۴۱)

(لوگوں کی بد اعمالی کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے، تا کہ انہیں ان کے کرتوت کا پھل مل جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ باز آجائیں۔)

اس آیت میں انسان کے فکر و عمل کے فساد کا ذکر ہے۔ اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ماحولیاتی آلودگی کے نتیجہ میں خشکی اور تری ہر جگہ فساد کا ظہور ہو رہا ہے اور اس کا سبب انسانوں کے کرتوت اور ان کی غلط حرکتیں ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان ان مفسدانہ کاموں سے باز آجائے۔

یہ صحیح ہے کہ انسان کو فکر و عمل کی آزادی دی گئی ہے، لیکن یہ آزادی مشروط ہے کہ اس سے کسی دوسرے کو ضرر اور تکلیف نہ پہنچے۔ اگر اس کی آزادی سے دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے، خواہ یہ نقصان اجتماعی ہو یا انفرادی، تو اس کے ہاتھ کو پکڑنا ایک مذہبی فریضہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

مثل القائم على حدود اللہ والواقع فيها كمثل قومٍ استهموا على سفينة، فأصاب بعضهم أعلاها وبعضهم أسفلها، فكان الذين في أسفلها اذا استقوا من الماء مرّوا على فوقهم، فقالوا لو أنّا أخرقنا في نصيبنا خرقاً ولم نؤذ من فوقنا، فان يتركوهم وما أرادوا هلكوا جميعاً، وان أخذوا على أيديهم نجوا ونجوا جميعاً۔ ۱؎

(اللہ کی حدوں پر قائم رہنے اور اسے پھلانگنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ کچھ لوگوں نے کشتی میں بیٹھنے کے لیے قرعہ اندازی کی اور اس کے نتیجے میں بعض لوگوں کے حصے میں اوپری منزل آئی اور بعض کے حصے میں نچلی منزل۔ جو لوگ نچلی منزل میں تھے انہیں پانی لینے کے لیے اوپر آنا پڑتا تھا، اس لیے انہوں نے سوچا کہ اگر ہم نچلے حصے میں سوراخ کرلیں تو ہمیں اوپر جانے کی ضرورت نہ ہوگی اور ہمارے بار بار آنے جانے کی وجہ سے اوپر والوں کو جو تکلیف ہورہی ہے اس سے وہ بھی نجات پا جائیں گے۔ اب اگر اوپر کے لوگ نیچے کے لوگوں کو ایسا کرنے کے لیے چھوڑ دیں تو سب ہلاک ہوجائیں گے اور اگر انہیں روک دیں گے تو سب بچ جائیں گے۔)

اس حدیث میں کشتی کے نچلے حصے میں رہنے والوں کو ان کی نیک نیتی اور سہولت کی تلاش کی وجہ سے معذور نہیں سمجھا گیا، کیوں کہ ان کی حسن نیت اور آسانی کا نتیجہ تمام لوگوں کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہے، اس لیے 'عمومی مصلحت' اور 'ضرر عام' کو رفع کرنے کے لیے ان کا ہاتھ پکڑنا ضروری ہے۔ لہٰذا ایسی کوشش کی حوصلہ شکنی لازمی ہے جس سے ماحولیات کو نقصان پہنچے اور اس کا نتیجہ جسم، عقل اور نسل کے ضرر اور تباہی کی شکل میں سامنے آئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا ضرر ولا ضرار ۲؎

(نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔)

علامہ ابن عبد البرؒ وغیرہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

'ضرر' یہ ہے کہ انسان اپنے فائدے کے لیے کسی کو نقصان پہنچائے اور 'ضرار' یہ ہے کہ بلا وجہ اور بے فائدہ کسی کو نقصان پہنچائے۔ ۳؎

غرض یہ کہ ہر طرح کے ضرر اور نقصان سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانا ضروری ہے۔ اس کے لیے کائنات میں موجود توازن کی حفاظت اور ماحول کی آلودگی سے بچانا ناگزیر ہے۔

پانی کی حفاظت

پانی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت ہے۔ یہ ہر جان دار کے لیے ذریعۂ وجود اور سببِ حیات ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء: ۳۰)

(اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا۔)

پانی کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز میں اور متعدد جگہوں پر تقریباً تریسٹھ (۶۳) مرتبہ پانی کا ذکر کیا ہے اور اس کی یہ صفات بیان کی ہیں: الطہور (پاک) المبارک (بابرکت) الغدق (کثیر) الفرات (میٹھا) الثجاج (بہت بہنے والا)۔

پاک وصاف پانی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے بطور احسان فرمایا ہے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (الفرقان: ۴۸)

(اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی نازل کیا۔)

کہا جاتا ہے کہ ایک انسان کھائے بغیر تقریباً ایک ماہ تک زندہ رہ سکتا ہے، مگر پانی کے بغیر ایک ہفتہ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ پانی کی اس لازمی اور بنیادی ضرورت کے پیش نظر اسے مشترکہ ملکیت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلمون شرکاء فی ثلاث: الماء والکلأ والنار ۴؎

(پانی، گھاس اور آگ میں تمام مسلمان شریک ہیں۔)

بوقت ضرورت لوگوں کو پانی سے محروم رکھنے پر شدید وعید بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر اليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم: رجل على فضل ماءٍ بطريقٍ يمنع منه ابن السبيل، ورجل بايع رجلاً لا يبايعه الا للدنيا، فان أعطاه ما يريد وفى له والّا لم يف له، ورجل ساوم رجلاً بسلعة بعد العصر، فحلف بالله لقد أعطى بها كذا وكذا، فأخذها۔ ۵؎

(تین لوگوں سے اللہ تعالیٰ نہ بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک صاف کرے گا: ایک وہ شخص جس کے پاس گزرگاہ پر زائد پانی ہو اور وہ کسی مسافر کو دینے سے انکار کردے، دوسرا وہ شخص جو کسی سے صرف دنیا حاصل کرنے کے لیے بیعت کرے، اگر اس کو دنیاوی فائدہ ملتا رہے تو وہ اس کا وفادار رہے، ورنہ نہیں، تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد کسی سامان کا بھاؤ تاؤ کرے اور جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ یہ سامان اس کو اتنے میں ملا ہے اور خریدنے والا اس کی قسم پر اعتماد کرکے اسے اس قیمت پر خرید لے۔)

ایک دوسری روایت میں ہے:

فيقول الله يوم القيامة: اليوم أمنعک فضلي كما منعتَ فضلَ ما لم تعمل يداک۔ ۶؎

(اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص سے کہے گا: جس طرح تو نے اس زائد پانی کو نہیں دیا تھا جسے حاصل کرنے میں تیرے ہاتھوں کا کوئی دخل نہیں تھا، اسی طرح آج میں تم سے اپنے فضل کو روک لوں گا۔)

پانی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ وہ ایک مسلمان کے لیے نماز اور تلاوتِ قرآن جیسی اہم عبادت کے لیے بھی ناگزیر ہے، اس لیے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں اس سے متعلق تفصیلی بحث ملتی ہے، جس سے پانی کی طہارت ونظافت اور نجاست کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لِيُطَهِّرَكُمْ (الانفال:۱۱)

(اور وہ آسمان سے تمہارے لیے پانی برساتا ہے، تا کہ تمھیں پاک کرے۔)

حدیث میں ہر ایسی کوشش کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور دنیا و آخرت میں کام یابی و کام رانی کی بشارت دی گئی ہے جس کے ذریعہ لوگوں کے لیے پانی کا نظم کیا جائے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سبعة يجري على العبد أجرهن من بعد موته في بزه: من علم علماً، أو أكرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترك ولداً يستغفر له ۷۔

(سات چیزوں کا فائدہ مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے: جو کسی کو علم سکھادے، یا نہر یا کنواں کھود دے، یا درخت لگا دے، یا مسجد بنا دے، یا قرآن چھوڑ جائے، یا اس کا کوئی لڑکا ہو جو اس کی مغفرت کی دعا کرے۔)

حضرت عثمان بن عفانؓ کے گھر کو جب بلوائیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو انھوں نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

أنشدكم ولا أنشد الا أصحاب النبي ﷺ: ألستم تعلمون أن رسول الله ﷺ قال: من حفر رومة فله الجنة، فحفرتها۔ ۸۔

(میں تمھیں قسم دے کر کہتا ہوں اور اس قسم کے مخاطب صرف صحابہ کرام ہیں: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی رومہ نامی کنویں کو خرید کر مسلمانوں کو دے دے گا اس کے لیے جنت ہے۔ چنانچہ میں نے ہی اسے خرید کر مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا۔)

آبی ذخائر کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں اسراف سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف:۳۱)

(کھاؤ اور پیو، مگر فضول خرچی نہ کرو، اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

فضول خرچی درحقیقت فساد کی ایک شکل ہے، اس لیے دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

(البقرۃ:۶۰)

(اللہ کی روزی میں سے کھاؤ پیو، مگر زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔)

سورۃ الشعراء میں کہا گیا ہے:

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ۔ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ (الشعراء:۱۵۱۔۱۵۲)

(اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات مت مانو، جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔)

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: یہ کیسی فضول خرچی ہے؟ انھوں نے عرض کیا: کیا وضو میں زیادہ پانی کا استعمال فضول خرچی ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

نعم، وان کنت علی نھرٍ جارٍ۔ ۹

(ہاں اگرچہ تم بہتے ہوئے دریا کے کنارے وضو کر رہے ہو۔)

پاکی حاصل کرنا ایک عبادت ہے۔ حضرت سعدؓ کے تصور سے یہ بالاتر تھا کہ عبادت کے لیے پانی استعمال کرنے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے اور اس میں حد سے تجاوز کرنا فضول خرچی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس خیالِ خام کو ختم کرنے کی کوشش کی اور فرمایا کہ ہاں، عبادت کے لیے بھی حد سے زیادہ پانی خرچ کرنا فضول خرچی ہے۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں: ''علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی میں فضول خرچی ممنوع ہے، اگرچہ وضو کرنے والا سمندر کے کنارے ہو۔'' ۱۰

پانی کو آلودہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ اس کو ڈھانک کر رکھنے کا حکم دیا

گیا ہے، تا کہ اس میں بیماری کے جراثیم سرایت نہ کریں۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

غطّوا الأناء، أوکوا السقاء، فانّ في السنة لیلة ینزل فیھا وباء لا یمرّ باناءٍ لیس علیه غطاءٌ أو سقاءٌ لیس علیه وکاءٌ الّا نزل فیه من ذلک الوباء۔ ۱۱؎

(برتن کو ڈھانک دو اور مشکیزہ کو باندھ دو، کیوں کہ سال میں ایک بار رات میں وبا نازل ہوتی ہے اور اگر کوئی برتن کھلا ہوا ہو تو وبا اس میں داخل ہو جاتی ہے۔)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

نھیٰ النبی ﷺ أن یُشرَب من في السقاء۔ ۱۲؎

(نبی ﷺ نے مشکیزہ میں منھ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔)

اس حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے کہ پانچ وجہوں سے آں حضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے:

۱۔ ہوسکتا ہے کہ مشکیزہ میں کوئی کیڑا یا تنکا ہو اور وہ حلق میں چلا جائے۔

۲۔ یک بارگی بڑی مقدار میں پانی جانے کی وجہ سے گلے میں پھانس لگنے کا اندیشہ ہے۔

۳۔ پانی چوس کر پینا ممکن نہیں اور یک بارگی منھ بھر کر پینے کی وجہ سے جگر کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

۴۔ اس سے مشکیزہ میں بدبو پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔

۵۔ دوسروں کو یہ خیال ہوگا کہ پینے والے کے منھ سے کچھ پانی واپس مشکیزہ میں چلا گیا ہوگا اور وہ اس سے پانی پینے میں گھن محسوس کریں گے۔ ۱۳؎

جدید اکتشافات کی روشنی میں ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس طرح پانی پینے سے متعدّی جراثیم دوسروں تک منتقل ہوسکتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے: ''مشکیزہ سے پانی پینے کی بعض روایتیں حالتِ ضرورت پر محمول ہیں۔'' ۱۴؎

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا شرب أحدکم فلا یتنفّس في الاناء، فاذا أراد أن یعود فلینح الاناء، ثم لیعد ان کان یرید۔ ۱۵؎

(جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اگر دوبارہ پینا چاہے تو پہلے برتن منہ سے الگ کردے، پھر دوبارہ پیے۔)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں:

انّ النبی ﷺ نھی عن النفخ فی الشرب، فقال رجل: القذاۃ أراھا في الاناء، قال: أھرقھا، قال: فاني لا أروی من نفسٍ واحدٍ، قال: فأبِن القدح اذن عن فیک۔ ۱۶؎

(نبی ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر برتن میں تنکا نظر آجائے؟ آپؐ نے فرمایا: پانی گرادو۔ اس نے کہا: میں ایک سانس میں آسودہ نہیں ہوتا۔ فرمایا: برتن اپنے منہ سے الگ کردو۔)

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے: ''برتن میں سانس لینے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک سانس میں پانی پینا علمائے طب کے یہاں ناپسندیدہ ہے، کیوں کہ اس سے جگر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ آدابِ مجلس کے خلاف ہے، کیوں کہ برتن میں سانس لینے کی وجہ سے اس کے ذریعہ تھوک اور لعاب اس میں منتقل ہوسکتا ہے اور یہ بے ادبی ہے کہ کوئی ایسی چیز اپنے ہم نشیں کو دے جس میں اس کے لعاب کی آمیزش ہو۔'' ۱۷؎

علامہ ابن دقیق العیدؒ کہتے ہیں: ''ممکن ہے کہ اس کے منہ سے کوئی چیز نکل کر اس میں شامل ہوجائے جس سے دوسروں کو گھن محسوس ہو، اس لیے ایسا کرنا گویا

دوسروں کے لیے پانی کوخراب کرنا ہے، کیوں کہ دوسرے کی طبیعت اسے پینا گوارا نہیں کرے گی۔''۱۸؎

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں: ''پانی کو صاف رکھنے کے مقصد سے یہ ممانعت بطور ادب ہے، اس لیے کہ سانس کے ساتھ تھوک، ناک کی ریزش، یا خراب ہوا پانی میں منتقل ہوسکتی ہے، جس کی وجہ سے اس میں بدبو پیدا ہوجائے گی۔ اس لیے وہ خود یا کوئی دوسرا اسے پینے میں گھن محسوس کرے گا۔''۱۹؎

جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ برتن میں سانس لینے کی وجہ سے منھ میں موجود بعض جراثیم اس میں منتقل ہوجاتے ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سے امراض دوسروں تک متعدی ہوسکتے ہیں۔

پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے ہی ایک حدیث میں کہا گیا ہے:

اتّقوا الملاعن الثلاثة: البراز في الموارد وقارعة الطريق والظل۔ ۲۰؎

(لعنت کی تین جگہوں سے بچو: یعنی پانی میں، عام گزرگاہوں پر اور سایہ کی جگہوں میں پاخانہ کرنے سے۔)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لايبولنّ أحدكم في الماء الدائم الذي لايجري، ثم يغتسل منه۔ ۲۱؎

(تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں، جو بہتا نہ ہو، پیشاب نہ کرے کہ بعد میں ممکن ہے وہ اس میں غسل کرے۔)

علامہ نوویؒ کہتے ہیں: ''پانی میں پیشاب کرنا ہر حال میں ممنوع ہے، خواہ اس میں اس کے بعد غسل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ پیشاب کی طرح اس میں پاخانہ کرنا بھی ممنوع ہے، بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ قبیح ہے۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ کسی برتن میں پیشاب کرے اور پھر اسے پانی میں ڈال دے، یا کسی تالاب کے کنارے پیشاب کرے اور وہ بہہ کر پانی میں پہنچ جائے۔''۲۲؎

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ایک دوسری حدیث میں ہے:

لا يغتسل أحدكم في الماء الدائم وهو جنب، فقال: كيف

یفعل یا أبا هریرة؟ قال: یناوله تناولاً۔ ۲۳؎

(تم میں سے کوئی اگر ناپاک ہو تو ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ ایک صاحب نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا: پھر وہ غسل کیسے کرے؟ انہوں نے جواب دیا: اس میں سے پانی لے کر غسل کرے۔)

اسلام اس سلسلے میں کس درجہ حساس ہے، اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اذا استیقظ أحدکم من نومه فلا یغمسنّ یده في الاناء حتی یغسلها ثلاثاً، فانه لا یدري أین باتت یده۔ ۲۴؎

(جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے، یہاں تک کہ اسے تین مرتبہ دھولے، کیوں کہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے؟)

یعنی محض شک کی بنیاد پر پانی کو آلودگی سے بچانے کے لیے ہاتھ دھونے سے پہلے اسے پانی کے برتن میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں: ''ممانعت کی وجہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہ لگی ہوئی ہے جو پانی کو خراب کر دے؟ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ اگر کسی کو بیداری کی حالت میں بھی اس طرح کا شک پیش آجائے تو اسے بھی ہاتھ دھائے بغیر اسے برتن میں نہیں ڈالنا چاہیے۔'' ۲۵؎

آج کے دور میں پانی کی آلودگی کا مسئلہ محض پیشاب پاخانے تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ خطرناک اور زہریلے مادوں کے ذریعے پانی کو مسلسل آلودہ کیا جا رہا ہے۔ صنعتی اور کیمیاوی فضلات اور دیگر آلودگی پیدا کرنے والی چیزوں کے ذریعے ندی، تالاب اور دریا کو آلودہ کیا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے آبی جانوروں اور خود انسانوں کی زندگی ایک بڑی مصیبت اور ایک زبردست خطرے سے دوچار ہے۔ اس لیے لوگوں کو اس معاملے میں بیدار ہونے کی ضرورت ہے، ورنہ وہ خود اپنے ہاتھوں لگائی

گئی آگ میں جل کر ختم ہوجائیں گے۔

ہوا کو آلودگی سے بچانا

ہوا بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک اہم نعمت ہے، جس کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

لا تسبّوا الریح ، فانّھا من روح اللّٰہ تبارک وتعالیٰ ، وسلوا اللّٰہ خیرھا وخیر مافیھا وخیر ما أرسلت بہ، وتعوّذوا باللّٰہ من شرّ ما فیھا وشرّ ما أرسلت بہ۔ ۲۶؎

(ہوا کو برابھلا مت کہو، کیوں کہ وہ اللہ کی رحمت ہے اور اللہ سے اس کی بھلائی اور جس کے لیے وہ بھیجی گئی ہے، اس کی بھلائی کے طلب گار بنو۔ اور اللہ سے اس کے شر اور جس کے لیے وہ بھیجی گئی ہے، اس کے شر سے پناہ مانگو۔)

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: ''تم ہوا کے بارے میں غور کرو کہ وہ سب سے پہلے ناک میں داخل ہوتی ہے اور وہاں اس کی ٹھنڈک ختم ہوجاتی ہے، پھر حلق تک پہنچ کر اس کا مزاج معتدل ہوجاتا ہے، پھر ایک پاکیزہ لطیف ہوا پھیپھڑے میں پہنچتی ہے۔ پھر وہاں سے دل کے ذریعہ تمام رگوں سے ہوتے ہوئے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر جب ہوا گرم ہوجاتی ہے اور انتفاع کے لائق نہیں رہتی تو پھیپھڑے کے ذریعے حلق اور ناک کے راستے سے جسم سے خارج ہوجاتی ہے، پھر دوبارہ اسی طرح سے صاف ستھری ہوا داخل ہوجاتی ہے۔ اس مختصر سی مدت میں جسم میں ہم سانس لیتے اور چھوڑتے ہیں۔ اس عمل میں اللہ کی بے شمار نعمتیں پنہاں ہیں۔'' ۲۷؎

جدید سائنس میں کہا جاتا ہے کہ سانس کے ذریعہ آکسیجن جسم میں داخل ہوتی ہے اور جسم کے ہر حصے میں پہنچ کر غذا کو تحلیل کرنے اور توانائی بنانے کا کام انجام دیتی ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں کاربن ڈائی آکسائڈ تیار ہوتی ہے جو جان دار کے لیے ایک زہریلی گیس ہے۔ خون اسے جسم کے ہر حصے سے لاکر پھیپھڑوں میں

چھوڑ دیتا ہے، جہاں سے یہ سانس کے ذریعہ باہر نکل جاتی ہے۔

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں: ''ہوا کا بہتر اور خوش گوار ہونا انسانی صحت کو برقرار رکھنے میں سب سے زیادہ معاون ہے اور ہوا کا خراب ہونا جسم کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اس کی وجہ سے بیماری بہت جلد قدم جما لیتی ہے۔'' ۲۸؎

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں: ''آفات و بلیّات اور امراض سے حفاظت اور سلامتی کے لیے ہوا کا خوش گوار ہونا ضروری ہے، اس لیے کہ اگر وہ ٹھہری ہوئی اور ناگوار ہو، یا خراب پانی اور بدبودار جگہ سے قریب ہو تو اس میں بھی بدبو پھیل جاتی ہے اور اس کی وجہ سے کسی بھی جان دار کا بیمار ہونا یقینی ہے۔ یہ بات مشاہدہ میں ہے کہ جن شہروں میں اچھی ہوا کی رعایت نہیں کی گئی وہاں کثرت سے بیماریاں پائی جاتی ہیں۔'' ۲۹؎

اسلامی شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد جسم و جان کی حفاظت ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ لکھتے ہیں: ''پوری امت، بلکہ تمام مذاہب کے لوگ اس پر متفق ہیں کہ شریعت اور قانون پانچ ضروری چیزوں کی حفاظت کے لیے بنایا جاتا ہے: دین، نفس، نسل، مال اور عقل۔'' ۳۰؎

حدیث میں کہا گیا ہے:

انّ اللہ کتب الاحسانَ علی کل شیئٍ ۳۱؎

(اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان (بہتر طریقہ اختیار کرنے) کو فرض کیا ہے۔)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ کہتے ہیں: ''اس حدیث میں احسان کے ضروری ہونے کی صراحت ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل: ۹۰)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔)

اور ایک دوسری آیت میں ہے:

وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (البقرۃ: ۱۹۵)

(اور احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔)

احسان کا یہ حکم کبھی واجب ہوگا اور کبھی مستحب۔ مذکورہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہر عمل میں احسان ضروری ہے، لیکن ہر چیز کا احسان اس کے اعتبار سے ہے۔ ۳۲؎ یعنی اگر فعل واجب ہے تو احسان بھی واجب ہوگا اور اگر فعل مستحب ہے تو احسان بھی مستحب ہوگا۔

علامہ عز بن عبد السلامؒ لکھتے ہیں: ''احسان منحصر ہے مصلحت کو حاصل کرنے اور مفسدہ کو دور کرنے میں اور یہی تقویٰ اور پرہیزگاری کی انتہا اور مقصود ہے۔ اس کا سب سے اعلیٰ درجہ عبادات میں احسان ہے۔۔۔ دوسرا درجہ مخلوقات کے ساتھ احسان ہے اور اس کی شکل مصلحت کو حاصل کرنا اور مفسدہ کو دور کرنا ہے۔۔۔اور یہ احسان انسان کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ملائکہ کے حق میں بھی ضروری ہے، کیوں کہ وہ بھی انسان کی طرح تکلیف دہ چیزوں سے اذیت محسوس کرتے ہیں، بلکہ ہر طرح کے جان دار کے ساتھ اس کا لحاظ رکھنا ہوگا۔'' ۳۳؎

ان عمومی دلیلوں سے ہوا اور فضا کی حفاظت کے سلسلے میں اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فضائی آلودگی کے سلسلے میں آج ہم جس خطرناک صورت حال سے دوچار ہیں، ماضی میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاہم بعض روایتوں کے اشارات سے اس سلسلے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

أطفئوا المصابيح اذا رقدتم، وغلّقوا الأبواب۔ ۳۴؎

(جب تم سونے جاؤ تو چراغ کو بجھا دو اور دروازہ بند کردو۔)

ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

لا تتركوا النار في بيوتكم حين تنامون۔ ۳۵؎

(سوتے وقت اپنے گھروں میں جلتی ہوئی آگ نہ چھوڑو۔)

گزشتہ ادوار میں اس حدیث کی تشریح میں یہی کہا جاتا تھا کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے گھر میں آگ لگ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے آگ بجھا کر سونے کا حکم دیا گیا، لیکن جدید تحقیق کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آگ جلنے کی وجہ سے آکسیجن ختم ہوتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائڈ میں اضافہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے انسان اور دیگر حیوانات کی زندگی خطرے سے دو چار ہوجاتی ہے۔ اس لیے حدیث میں جلتی ہوئی آگ چھوڑ کر سونے سے منع کیا گیا ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ہر ایسا عمل نادرست ہے جس کی وجہ سے فضائی آلودگی میں اضافہ ہو اور زندگی گزارنا مشکل ہوجائے۔

متعدد حدیثوں میں میّت کو جلد دفنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ پھٹنے اور سڑنے سے پہلے ہی اسے اس کے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، کیوں کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں اس کی بے حرمتی نیز بدبو کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف ہوگی۔ بہت سی حدیثوں میں پیڑ پودے لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی ایک مصلحت فضائی آلودگی سے حفاظت بھی ہوسکتی ہے۔

بعض فقہی عبارتوں سے بھی ہمیں اس مسئلے میں رہ نمائی ملتی ہے، جیسا کہ ہوا کے سلسلے میں علامہ ابن نجیم مصریؒ نے لکھا ہے: ''اگر کسی کے درخت کی شاخوں نے دوسرے کے گھر کی ہوا کو روک رکھا ہے اور گھر کے مالک نے ان شاخوں کو کاٹ دیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر شاخیں ایسی ہوں کہ انہیں رسی سے باندھ کر ہوا کی جگہ کو فارغ کیا جاسکتا ہے تو کاٹنے والا ضامن ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا، جب کہ ایسی جگہ سے کاٹا ہو کہ اگر معاملہ عدالت میں پہنچ جاتا تو قاضی اس جگہ سے کاٹنے کا حکم دیتا''۔ ۳۶؎

اسی طرح کی بات علامہ ابن رشدؒ، امام نوویؒ اور علامہ ابن قدامہؒ نے بھی لکھی ہے۔ ۳۷؎ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ہوا انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جسے روکنے کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حنفی، مالکی اور حنبلی فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں تنور، حمام، لوہار یا سنار کی بھٹی لگالے، جس کے دھویں سے

پڑوسیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اسے اس سے منع کیا جائے گا، الّا یہ کہ وہ دھوئیں کو زائل کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کرے۔ ۳۸؎ بعض شافعی علماء کی رائے اس کے برخلاف ہے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے، چنانچہ فقہ شافعی کی بعض کتابوں میں ہے:

> ''حدیث ۳۹؎ کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ ضرر کی تمام صورتیں حرام ہوں، خواہ اس سے کم نقصان ہو یا زیادہ، الّا یہ کہ کسی دوسری دلیل سے اس کا جائز ہونا معلوم ہو۔ اس لیے کہ حدیث کے الفاظ بالکل عام ہیں، لہٰذا کسی شخص کے لیے اپنے گھر میں کوئی ایسا روشن دان کھولنا حرام ہے جس کے ذریعہ وہ پڑوسی کی عورتوں کو دیکھ سکے۔ اسی طرح تنور، حمام، چکی وغیرہ لگانا بھی حرام ہے، کیوں کہ دھوئیں اور چکی کی آواز سے دوسروں کو تکلیف ہوگی۔'' ۴۰؎

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے لکھا ہے: ''کسی شخص کا ایسا عمل جو پڑوسی کے لیے ضرر رساں ہو، جائز نہیں ہے۔'' اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں کہا گیا ہے: '**لاضرر ولاضرار**'۔ چوں کہ اس کی وجہ سے پڑوسی کو نقصان پہنچ رہا ہے، لہٰذا جائز نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو اس طرح سے کوٹتا ہے کہ اس سے پڑوسی کی دیوار ہل رہی ہے اور کمزور ہو رہی ہے، یا اس کی دیوار کی جڑ میں کھاد یا پانی لا کر رکھ دے، جس سے اس کی دیوار کو نقصان پہنچے، یا کسی نے پانی کا حوض بنا رکھا ہے اور اس کے پڑوسی نے قریب میں انجیر وغیرہ کا درخت لگا دیا ہے جس کی جڑیں پانی کے حوض کی دیوار میں شگاف ڈال رہی ہیں تو اسے ایسا کرنے کا حق نہیں اور اسے اس درخت کے لگانے سے منع کیا جائے گا اور اگر لگا دیا ہے تو اکھاڑ دینا درست ہے۔'' ۴۱؎

علامہ عبدالرحمن بن نصر شیزریؒ نے تنور وغیرہ کے سلسلے میں محتسب کے فرائض کے بیان میں لکھا ہے: ''مناسب ہے کہ روٹی پکانے کی دوکان کی چھتیں اونچی ہوں، ان کے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور چھتوں میں دھواں نکلنے کے لیے بڑی اور کشادہ چمنی ہو، تا کہ اس کی وجہ سے لوگوں کو ضرر نہ پہنچے۔'' ۴۲؎

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں:

۱۔ اگر کوئی پکوان کے لیے ایندھن کے طور پر ایسی چیز کے استعمال پر قادر ہو جس سے کم دھواں پیدا ہوتا ہے، لیکن وہ زیادہ دھواں پیدا کرنے والے ایندھن سے قدرے مہنگی ہوں تو اجتماعی ضرر سے بچنے کے لیے اسے کم دھواں چھوڑنے والے یا دھواں نہ پیدا کرنے والے ایندھن کا استعمال کرنا ضروری ہوگا۔

۲۔ اگر حکومت کی طرف سے کسی خاص گاڑی کے لیے گیس کے استعمال کو لازم کر دیا جائے تو اس قانون کی پابندی شرعاً واجب ہوگی، نیز اگر حکومت کی طرف سے کوئی ہدایت نہ ہو، جب بھی اس کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ لوگوں کو ضرر سے بچانے، ماحول کو پاک و صاف رکھنے، ضروریاتِ زندگی کو فساد سے بچانے اور جسم و جان اور عقل و نسل کی حفاظت کے لیے کم آلودگی پیدا کرنے والے ایندھن کو اختیار کرے۔

۳۔ اگر حکومت کی طرف سے جنریٹر کے لیے ہوا کو آلودگی سے بچانے کے مقصد سے ڈیزل اور مٹی کے تیل کے استعمال کی ممانعت کر دی گئی ہے تو اس کی تعمیل لازم ہے، تاکہ ماحول کو نقصان سے بچایا جا سکے اور اگر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو تو بھی حسبِ استطاعت ایسے ایندھن کو استعمال کرنا چاہیے جس سے کم سے کم دھواں پیدا ہو۔

۴۔ لوگوں کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے وہ روشنی اور دیگر سہولیات کے لیے آلودگی سے محفوظ توانائی کا استعمال کریں، مثلاً شمسی توانائی وغیرہ۔

۵۔ کارخانے وغیرہ کو آبادیوں سے باہر ہونا چاہیے اور ان کی چمنیوں کو ایک خاص سطح تک اونچا رکھا جائے اور ان میں ایسا ایندھن استعمال کیا جائے جس سے کم سے کم آلودگی پیدا ہو۔ یہ ہر ایک کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اور اگر حکومت کی طرف سے اس کے متعلق کوئی قانون بنا دیا جاتا ہے تو اس کی پابندی ضروری ہے۔ کیوں کہ قرآن حکیم میں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا گیا ہے اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں تعاون سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(المائدۃ: ۲)

(نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کرو۔)

قرآن حکیم میں اس سلسلے میں کسی فرد یا جماعت کو معیار نہیں بنایا گیا ہے کہ کن لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور کن لوگوں کے ساتھ نہیں؟ بلکہ ان چیزوں کو معیار بنایا گیا ہے جن میں تعاون کرنا مطلوب ہے اور جن میں تعاون کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے غیر مسلم حکومت کی طرف سے بھی مفاد عامہ سے متعلق کسی حکم کا پابند بنایا جائے تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ کسی ملک کی شہریت کو قبول کرنے میں اس بات کا معاہدہ ہوتا ہے کہ شہریت قبول کرنے والا اس ملک کے قوانین کا پابند ہوگا، اس لیے غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان قوانین کی پابندی کریں جن سے کسی شرعی حکم کی مخالفت لازم نہ آتی ہو۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں معاہدہ کی خلاف ورزی اور معصیت ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ:۱)

(ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو۔)

وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ ۚ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلاً (بنی اسرائیل: ۳۴)

(اور عہد و پیمان پورا کرو، کیوں کہ قول وقرار کی باز پرس ہوگی۔)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

المسلمون عند شروطھم [۴۳]

(مسلمانوں کو شرط پر عمل کرنا ہوگا۔)

نیز ایک مسلمان سے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت بھی مطلوب ہے، جو حکومتی قوانین کی خلاف ورزی کی صورت میں ضائع ہو سکتی ہے۔ (باقی)

حواشی و مراجع

۱۔ صحیح بخاری: ۲۳۶۱، جامع ترمذی: ۲۱۷۳، مسند احمد: ۱۸۳۸۷

۲۔ سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۰، موطا مالک ۱۴۲۹، مسند احمد: ۲۸۶۷، مستدرک حاکم: ۲۳۴۵، وقال الحاکم صحیح علی شرط مسلم ووافقہ الذھبی

۳۔ ابن رجب، جامع العلوم والحکم: ۳۰۴

۴۔ سنن ابی داؤد: ۳۴۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۴۷۲، مسند احمد: ۲۳۱۳۲

۵۔ صحیح بخاری: ۲۵۲۷، صحیح مسلم: ۱۰۸

۶۔ صحیح بخاری: ۷۰۰۸

۷۔ مسند بزار: ۷۲۸۹، صحیح الجامع للالبانی: ۳۶۰۲۔

۸۔ صحیح بخاری: ۲۶۲۶، جامع ترمذی: ۳۶۹۹، سنن نسائی: ۳۱۸۲، مسند احمد: ۴۲۰۲

۹۔ سنن ابن ماجہ: ۴۲۵۴، مسند احمد: ۷۰۶۵، السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی: ۲۸۴۳

۱۰۔ المنہاج: ۴/ ۲

۱۱۔ صحیح مسلم: ۲۰۱۴، مسند احمد: ۱۴۸۷۱

۱۲۔ صحیح بخاری: ۵۳۰۵

۱۳۔ کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۱/ ۵۷۴۔

۱۴۔ ابن حجر، فتح الباری: ۱۰/ ۹۲

۱۵۔ سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۷

۱۶۔ جامع ترمذی: ۱۸۸۷، مسند احمد: ۱۱۲۱۹

۱۷۔ ابن عبدالبر، التمھید: ۱/ ۳۹۷

۱۸۔ احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام: ۱/ ۴۶

۱۹۔ فتح الباری: ۱/ ۲۵۳

۲۰۔ سنن ابی داؤد: ۲۶، سنن ابن ماجہ: ۲۳۸

۲۱۔ صحیح مسلم: ۲۸۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳

۲۲۔ المنہاج: ۳/ ۱۸۸

۲۳۔ صحیح مسلم: ۲۸۳، سنن نسائی: ۲۲۰

۲۴۔ صحیح مسلم: ۲۷۸، سنن ابی داؤد: ۱۰۳

۲۵۔ جامع ترمذی: ۲۴، مسند لاحمد: ۱۰۰۹۳

۲۶۔ سنن ابی داؤد: ۵۰۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۷۲۷، مسند احمد: ۲۱۱۷۷

۲۷۔ ابن قیم، التبیان فی اقسام القرآن: ۱/ ۱۹۰

۲۸۔ معالم السنن: ۴/ ۲۳۶

۲۹۔ مقدمہ ابن خلدون: ص ۱۴۸

۳۰۔ شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ: ۱/ ۳۱

۳۱۔ صحیح مسلم: ۱۹۵۵

۳۲۔ جامع العلوم والحکم: ۱/ ۱۵۲ باختصار

۳۳۔ الفوائد فی اختصار المقاصد:

۳۴۔ صحیح بخاری: ۵۳۰۱،

مسند احمد: ۱۵۰۵۷

۳۵۔ صحیح بخاری: ۵۹۳۵، صحیح مسلم: ۲۰۱۵ ۳۶۔ البحر الرائق: ۷/ ۱۹۷

۳۷۔ دیکھیے البیان والتحصیل: ۹/ ۴۰۹، المجموع: ۱۳/ ۴۱۰، المغنی: ۵/ ۲۲

۳۸۔ دیکھیے الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۶/ ۴۶۵، الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۰/ ۲۴۱

۳۹۔ من ضارّ ضارّ اللّٰہ بہ، ومن شاق شاق اللّٰہ علیہ (جامع ترمذی: ۱۹۴۰) والی حدیث مراد ہے۔

۴۰۔ تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب: ۳/ ۴۱۱ ۴۱۔ المغنی: ۶/ ۲۰۲

۴۲۔ نہایۃ الرتبۃ الظریفۃ فی طلب الحسبۃ الشریفۃ: ص ۲۲ ۴۳۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ

تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں

مولانا سید جلال الدین عمری

آج اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کے لیے ایک چیلنج سمجھا جارہا ہے اور اس کی تصویر بگاڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کبھی تو اس کے مستقل وجود ہی سے انکار کیا جاتا ہے۔ پیش نظر کتاب میں تہذیب وسیات کی تعمیر میں اسلام کا کردار، سلام، امن و سلامتی کا پیغام، تحائف کی دینی وسماجی حیثیت، اسلام اور اصول سیاست، اسلام اور سیاست، اسلام کا شورائی نظام، مغرب اور انسانی حقوق کی تحریک، اسلام اور انسانی حقوق کی ضمانت جیسے موضوعات پر اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کی گئی ہے اور بعض سوالات یا اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف مواقع پر سپرد قلم فرمائے تھے اور وہ مجلہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہوئے۔ ان کی یکجا ترتیب سے تہذیب و سیاست کے میدان میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عمدہ پیرائے میں وضاحت ہوتی ہے اور اس کی تعمیر میں اسلام کا انقلابی کردار نمایاں ہوتا ہے۔

صفحات: 96 قیمت: 65روپے

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002